رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۲ ۹
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی بیس پیسے

۸ راکتوبر ۱۹۷۳ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۸

اداریہ

انجمن کی کل ہند کانفرنس

یہ اعلان تو ہم کر ہی چکے ہیں کہ دسمبر کے آخری ہفتے میں انجمن کی کل ہند کانفرنس دلی میں منعقد ہو رہی ہے۔ ابتدائی کاموں کے لئے ایک کمیٹی بن چکی ہے جو کم سے کم پانچ سو مجلس استقبالیہ کے ممبر بنائے گی۔ توقع یہ ہے کہ اکتوبر کے آخر تک مجلس استقبالیہ کے ممبر اتنی تعداد میں بن جائیں گے کہ شروع نومبر میں باقاعدہ مجلس استقبالیہ وجود میں آسکے اور اُس کے عہدہ دار چنے جا سکیں۔ مختلف حضرات کو چندے کی رسیدیں دی جا چکی ہیں۔ جناب مالک رام ابتدائی انتظامات کے نگراں تھے لیکن انھوں نے اپنے بیرونی ممالک کے دورے اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے اپنی جگہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا نام تجویز کیا جسے صدر انجمن نے منظور کر لیا۔ مالی کمیٹی، پبلسٹی کمیٹی اور نمائش کمیٹی نے بھی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ خیال یہ ہے کہ یہ کانفرنس ۲۷، ۲۸، ۲۹ دسمبر کو ہو، مگر اس معاملے میں قطعی فیصلہ انجمن کی مجلس عاملہ اور مجلس استقبالیہ کریں گی اور اس مہینے کے آخر تک قطعی تاریخوں کا اعلان ہو جائے گا۔

یہ کانفرنس کئی وجوہ سے بہت اہم ہوگی۔ سب سے مقدم پوری اردو تحریک کا جائزہ لے کر آئندہ کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ اس کے علاوہ انجمن کی شاخوں کی اس طرح تنظیم کرنا ہے کہ یہ زیادہ فعال اور با اثر ہو سکیں۔ اس کے علاوہ انجمن کے ادبی پروگرام کو اس طرح چلانا ہے کہ انجمن اس معاملے میں خود کفیل ہو سکے اور حکومت کی دست نگر نہ ہو۔ توقع ہے کہ اس وقت تک گجرال کمیٹی کی رپورٹ شائع ہو جائے گی۔ اس رپورٹ پر بھی انجمن کو اظہار خیال کرنا ہے تاکہ حکومت کے فیصلے سے پہلے انجمن اور اردو دوستوں کا موقف حکومت پر اچھی طرح واضح ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ بنیادی باتیں رہ جائیں اور ضروری باتوں پر ہی توجہ ہو۔ اس کے علاوہ اس موقع پر آزادی کے بعد اردو کے معیاری علمی و ادبی سرمائے کی ایک نمائش بھی کرنی ہے تاکہ ملک و قوم کو اندازہ ہو سکے کہ ان چھبیس سالوں میں اردو ادب کی ترقی کی رفتار کیسی رہی ہے۔ یہ بھی کوشش ہوگی کہ اردو کے استاد، ادیب، ناشر، صحافی، کتب فروش ایک دوسرے کے قریب آسکیں اور موجودہ حالات کی روشنی میں اپنے اپنے کاموں کو آگے بڑھا سکیں۔

ہمیں توقع ہے کہ دو سو سے زیادہ انجمن کی شاخوں کے نمائندے اور سو کے لگ بھگ اردو کے ممتاز ادیب دوسری زبانوں کے نمائندے، صحافی، ناشر، کتب فروش اور اساتذہ اس کانفرنس میں شریک ہوں گے۔ انجمن یہ کوشش کر رہی ہے کہ حسب سابق اس موقع پر بھی ریل کے کرائے میں رعایت مل سکے۔ اس کے علاوہ قیام و طعام کے اخراجات کی بھی مجلس استقبالیہ ذمہ دار ہوگی۔ ہم نے اخراجات کا اندازہ تقریباً پندرہ ہزار روپے کیا ہے اور ہمیں پوری امید ہے کہ دہلی کے اردو دوست اتنی رقم آسانی سے فراہم کر دیں گے۔

ہماری خواہش یہ تھی کہ ہماری یہ کانفرنس انجمن کی نئی عمارت "اردو گھر" میں ہو۔ مگر سرمائے کی قلت، اشیا کی گرانی اور سامان کی فراہمی میں دشواریوں کے سبب ابھی "اردو گھر" کی عمارت مکمل ہونے میں کچھ مہینے کی دیر ہے۔ اس وقت تک تہ خانہ اور دو منزلیں بن چکی ہیں۔ تیسری منزل پر کام شروع ہو رہا ہے اور چوتھی اس کے بعد بنے گی۔ انجمن اس عمارت پر پانچ لاکھ صرف کر چکی ہے اور کم سے کم مزید چار لاکھ اس عمارت کی تکمیل اور فرنیچر اور بجلی اور دوسرے لوازم کے لئے فراہم کرنا ہے۔ امید ہے کہ سارے ہندوستان سے کانفرنس میں شرکت کرنے والے اردو دوست "اردو گھر" کی عمارت مکمل کرنے کے لئے مزید چار لاکھ کی فراہمی کی بھی سبیل کریں گے۔ انجمن کے عہدہ دار تو اپنی کوشش میں لگے ہی ہوئے ہیں۔

انجمن آزادی کے بعد سے برابر اردو کی قومی حیثیت کو نمایاں کرتی رہی ہے اور اس کے چلن کے سلسلے میں دشواریوں کی طرف ملک و قوم کو توجہ دلاتی رہی ہے۔ اس کا یہ مطالبہ کہ صدر جمہوریہ جب تک دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو بعض ریاستوں میں سرکاری زبان قرار نہ دیں گے، "اردو کی بقا خطرے میں رہے گی" آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ امید ہے کہ اس کانفرنس کے ذریعے سے ہم حکومت اور عوام کو اپنے مطالبے کی سچائی کا یقین دلا سکیں گے۔ یقین ہے کہ اس سلسلے میں انجمن کو ہندوستان کے سبھی اردو دوستوں اور محبان وطن کا پرجوش تعاون ملے گا۔

اس عرصے میں اس صدی کے دو بڑے شاعروں، پابلو نرودا اور ڈبلیو ایچ آڈن کا انتقال ہو گیا۔ پابلو نرودا چلی کے ہی نہیں پوری ہسپانوی زبان کے آج کے چوٹی کے شاعر مانے جاتے تھے۔ انھیں کچھ عرصہ ہوا نوبل انعام بھی ملا تھا۔ وہ کینسر کے عارضے میں مبتلا تھے۔ آڈن اس صدی کی چوتھی دہائی میں امریکہ چلے گئے تھے مگر حال میں انگلستان واپس آ گئے تھے۔ بلاشبہ اس صدی کے انگریزی زبان کے تین بڑے شاعروں میں ایلیٹ، ڈبلیو۔ بی۔ ییٹس اور آڈن تھے۔ ان دونوں پر ہماری زبان میں علٰحدہ مضامین شائع ہوں گے۔

مشہور عربی اسکالر ڈاکٹر عبد المعید خاں سابق صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونی ورسٹی ایڈیٹر اسلامک کلچر اور سکریٹری ادارۃ المعارف حیدرآباد کا چند روز ہوئے حیدرآباد میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم اُن مغتنم ہستیوں میں سے تھے جن کے علم و فضل اور جن کی غیر معمولی صلاحیت کے سبھی قائل تھے۔ وہ نہایت خاموش کام کرنے والے تھے اور کبھی انھوں نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ ان کے انتقال سے ہندوستان عربی کے بین الاقوامی شہرت کے عالم، ایک مایہ ناز ایڈیٹر اور ایک مثالی معلم سے محروم ہو گیا۔ خدا انھیں غریق رحمت کرے۔

اردو تھیٹر کا پہلا دستیاب ڈراما: خورشید

ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت سے سنی جائے گی کہ بمبئی کے اردو تھیٹر کا پہلا دستیاب ڈراما "خورشید" ڈاکٹر مسیح الزماں کی ترتیب، تصحیح، مقدمہ اور حواشی کے ساتھ شائع ہو گیا ہے۔ اسے کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔ قیمت پانچ روپے ہے۔

• نامہ نگار

ظفر احمد صدیقی وکیل سیتاپور

سنسکرت اور سہ لسانی فارمولا

سنسکرت ہمارے ملک کے اکثریتی فرقہ کی مذہبی زبان ہونے کے علاوہ ایک اہم اور قدیم کلاسیکل زبان ہے۔ اس بنا پر اس کا احترام اپنی جگہ پر ہے مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سنسکرت ملک کے کسی خطہ کی عوامی زبان نہیں۔ کسی طبقہ میں عام طور پر بولی اور سمجھی نہیں جاتی۔ ملک بھر میں ان افراد کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے جو سنسکرت میں گفتگو کرتے ہوں یا اسے سمجھتے ہوں اس بنا پر اس کو جدید زبان یا کسی طبقہ یا خطہ کی زبان کا مقام نہیں دیا جا سکتا۔ سہ لسانی فارمولا میں اس کو شامل کرنا سہ لسانی فارمولا کی روح کے خلاف ہے سہ لسانی فارمولا وزرائے اعلیٰ کانفرنس منعقدہ دہلی ۱۱ ر ۱۲ ر اگست ۱۹۶۱ء میں مرتب ہوا تھا اس کا مقصد بموجب رپورٹ قومی آواز ونیشنل ہیرالڈ مورخہ ۱۲ ر اگست ۱۹۶۱ء لسانی اقلیتوں کو دل کھول کر تحفظات دینا تھا اس کے پیش نظر سہ لسانی فارمولا میں اقلیتی زبانوں کی تعلیم کے لئے مناسب جگہ فراہم کرنا تھا سہ لسانی فارمولا ابتدائی طور پر حسب ذیل مرتب ہوا تھا۔

(۱) علاقائی زبان اور مادری زبان اگر وہ علاقائی زبان سے مختلف ہو۔

(۲) ہندی اور ہندی بولنے والے علاقوں میں دوسری جدید ہندوستانی زبان۔

(۳) انگریزی یا دوسری جدید یورپین زبان

اس طرح ہندی ریاستوں میں شق (۱) میں ہندی کی تعلیم شق (۲) میں کوئی جدید ہندوستانی زبان اور شق (۳) میں انگریزی یا کسی دوسری جدید یورپین زبان کی تعلیم مقصود تھی۔

"مگر من در چہ خیالم و فلک در چہ خیال" کے مصداق سہ لسانی فارمولا مرتب کرنے والوں کا مقصد کچھ اور تھا اور کاتبین فارمولا کے ارادے کچھ اور تھے اس کی تکمیل کے لئے نہایت ہوشیاری سے شق (۲) سے لفظ جدید نکال دیا گیا۔ اس طرح سنسکرت کی تعلیم کے لئے گنجائش پیدا کر دی گئی۔ اس سلسلے میں مرکزی وزارت تعلیم اور ریاست یو۔پی کی حکومت کے درمیان کافی تنازعہ رہا۔ ریاست یو۔پی کا اصرار تھا کہ سہ لسانی فارمولا میں سنسکرت کی تعلیم کے لئے گنجائش ہے مرکزی حکومت کا یہ موقف تھا کہ سنسکرت سہ لسانی فارمولا میں نہ پڑھائی جانا چاہئے بلکہ کوئی جدید ہندوستانی زبان پڑھائی جانا چاہئے۔

بموجب رپورٹ قومی آواز مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۶۲ء اور نیشنل ہیرالڈ مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۲ء مرکزی وزارت تعلیم نے ریاستی حکومتوں کو حسب ذیل ہدایت کی تھی۔

"سہ لسانی فارمولا کے نفاذ کے لئے مرکز مالی امداد دینے کے لئے تیار۔ مرکز نے ہندی بولنے والی ریاستوں کی یہ تجویز مسترد کر دی ہے کہ سنسکرت کو (سہ لسانی) فارمولا میں تیسری زبان کی حیثیت دی جائے۔" (ماخوذ قومی آواز مورخہ ۲ر جولائی ۱۹۶۲ء)

اس سے قبل بموجب رپورٹ قومی آواز مورخہ ۱۷ر اپریل ۱۹۶۳ء پانچ ریاستوں کے وزرائے تعلیم پر مشتمل کمیٹی نے مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر شریمالی کی صدارت میں ہونے والی میٹنگ میں طے کیا تھا کہ:

"تیسری زبان جدید ہندوستانی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان ہو کلاسیکی زبان کا بدل نہ بنایا جائے۔"

مرکزی وزارت تعلیم کی مسلسل ہدایات کے برعکس سنسکرت کو جو ایک کلاسیکل زبان ہے یو۔پی میں سہ لسانی فارمولا میں نہ صرف شامل کر لیا گیا بلکہ اس کی تعلیم پر خصوصی توجہ کی گئی اس کا اثر یہ ہوا کہ پوری ریاست یو۔پی میں دستور ہند کے شیڈول ۸ میں دی ہوئی جدید ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کے لئے گنجائش کم سے کم ہوتی چلی گئی۔

ذیل میں حکومت کے شایع کردہ کتابچہ "یو۔پی میں اقلیتی زبانوں کے لیے سہولتیں" سے کچھ اعداد و شمار دئے جا رہے ہیں یہ اعداد و شمار ۱۹۶۹ء تک کے ہیں اس کے بعد سے سنسکرت کی تعلیم میں بہت اضافہ اور ملک کی جدید اور اقلیتی زبانوں کی تعلیم میں نسبتاً خاصی کمی ہوئی ہے۔ سہ لسانی فارمولا کے تحت تیسری زبان پڑھانے والوں کی تعداد بموجب کتابچہ "یو۔پی میں اقلیتی زبانوں کے لئے سہولتیں" شائع کردہ بھاشا بھاگ اتر پردیش ۱۹۶۹ء۔

زبان	تعداد ٹیچرس ۱۹۶۳ء-۱۹۶۴ء — ۷۲ — ۱۹۶۵ء-۶۶-۱۹۶۶ء		
سنسکرت	۱۶۱۰ ارا	۳۹۶	۱۰۶۳۸ ۴
اردو	۴۸۵	۹۳	۴۵۰
پنجابی	۱۴۳	۱۳	۶۶
بنگالی	۴۷	۱۹	۸
تلگو	۱۵	انگریزی	۲ دیگر ال ۱
مراٹھی	۱۰	×	×
تامل	۸	×	×
آسامی	۱	×	×
دیگر	×	۲	×

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہے ۱۹۶۵ء ۱۹۶۶ء میں سہ لسانی فارمولا کے تحت زبان پڑھانے والے اساتذہ کے تقرر میں سنسکرت پڑھانے والے اساتذہ کا تناسب تقریب ۹۰ فیصدی تھا اور جدید ہندوستانی زبانوں کا تناسب کل ملا کر صرف ۱۰ فیصدی تھا۔ اس کے بعد سے حکومت کی جانب سے باضابطہ اعداد و شمار شائع نہیں کیے گئے ہیں مگر عام طور پر یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ رفتہ رفتہ سنسکرت کے ٹیچرس کا تناسب بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ تھے حالات جن کے پیش نظر کوٹھاری کمیشن نے اپنی رپورٹ ۱۹۶۴ء ۱۹۶۶ء کے پیراگراف ۲۲ — صفحہ ۱۹۱ میں اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ مختلف وجوہ کی بنا پر سہ لسانی فارمولا پر عملدرآمد کامیابی کے ساتھ نہیں ہو سکا اور رپورٹ کے پیراگراف ۳۴ — ۸ (صفحہ ۱۹۲) میں حسب ذیل سہ لسانی فارمولا تجویز فرمایا۔

(۱) مادری زبان یا علاقائی زبان۔

(۲) مرکز کی سرکاری زبان یا متعلقہ سرکاری زبان جب تک کہ وہ موجود ہے۔

(۳) کوئی جدید ہندوستانی یا یورپین زبان جو شق (۱) و (۲) کے تحت نہ آئی ہو اور ذریعہ تعلیم کے نہ ہو۔

جہاں تک سہ لسانی فارمولا کے تحت سنسکرت پڑھانے کا سوال ہے کوٹھاری کمیشن نے اپنی رپورٹ کے پیراگراف ۴۶ — ۸ (صفحہ ۱۹۷) میں حسب ذیل ہدایت کی تھی۔ (اردو ترجمہ)

"ہم کلاسیکل زبانوں کی تعلیم کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اس کا بھی احساس ہے کہ نظام تعلیم میں سنسکرت کو خصوصی مقام حاصل ہے لیکن ہم اس تجویز سے متفق نہیں ہیں کہ سنسکرت یا کسی اور کلاسیکل زبان کو سہ لسانی فارمولا میں شامل کیا جائے ہماری رائے میں فارمولا ہندوستان کی جدید زبانوں تک محدود رہنا چاہیے"

مرکزی حکومت بطور پالیسی کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کو منظور کر چکی ہے ۱۹۶۸ء میں مرکزی حکومت نے نیشنل تعلیمی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے سنسکرت کو سہ لسانی فارمولا میں شامل نہیں کیا تھا اور اعلان کے پیراگراف (۵) میں اس کی وضاحت کر دی تھی کہ ثانوی سطح پر ہندی والے علاقوں میں ہندی اور انگریزی کے علاوہ کسی جدید ہندوستانی زبان کو شامل کیا جائے گا ان میں جنوبی زبانوں کو ترجیح دی جائے گی۔ پارلیمنٹ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے مرکزی وزیر تعلیم نے صاف کہہ دیا تھا کہ سنسکرت کو سہ لسانی فارمولا میں شامل نہیں کرنا ہے

مندرجہ بالا واضح پالیسی اعلانات کے باوجود یو۔پی سرکار اقلیتی و دیگر جدید ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کو سہ لسانی فارمولا کے تحت ترقی دینے کے بجائے سنسکرت کی تعلیم پر بضد ہے جس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ اقلیتی زبانوں کی تعلیم کے لئے راہ مسدود ہوتی جا رہی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مرکز بجائے گرفت کرنے کے اس کام کے لئے فنڈ فراہم کرتی جا رہی ہے۔

مراسلات

اردو یونیورسٹی

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ر ستمبر ۷۲ء میں
عبداللطیف اعظمی صاحب نے چند دلائل جامعہ ملیہ
اسلامیہ کو اردو یونیورسٹی بنانے کے بارے میں دیے
ہیں۔ میں نے اس تجویز سے اختلاف اس وجہ سے کیا
تھا کہ اردو کے مسئلہ کو فرقہ واریت کے ہر شک اور
شبہ سے بالاتر ہو کر لسانی سطح پر طے ہونا چاہیے۔ اعظمی
صاحب فرماتے ہیں کہ "تقسیم ملک کے بعد روز بروز
یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اردو سے جو گہرا تعلق
مسلمانوں کو ہے وہ غیر مسلموں کو نہیں ہے"......
اور ہم حالات سے مجبور ہو کر یہ کہنے لگے ہیں کہ اردو
کے ختم ہونے سے جتنا نقصان مسلمانوں کو ہوگا غیر مسلموں
کو نہیں ہوگا" معلوم نہیں اعظمی صاحب کا "ہم" سے
کیا مقصد ہے اور وہ کون لوگ ہیں جو ایسا کہنے لگے
ہیں۔ وہ "ہم" جو ساحل کے تماشائی نہیں ہیں بلکہ گرداب
میں موجوں سے "کھیلتے" رہے ہیں وہ حیات اللہ انصاری
کے اس قول پر عمل پیرا ہیں کہ "صدیاں گزر جائیں لیکن ہم
اردو کو مسلمانوں کی زبان تسلیم نہیں کریں گے"۔ سر دست
پاکستان کے ردعمل کے طور پر اردو کو سیاسی نقطۂ نظر
سے دیکھا جانے لگا ہے۔ وہ فضا اردو کے خون جگر
دینے والے رضا کاروں کی باشعور دستوری کوششوں
سے بدل رہی ہے اور ہم کو یقین ہے کہ اردو اس ملک
میں اس ملک والوں کی زبان بن کر زندہ رہے گی۔
یہ بہت افسوس اور تشویش کی بات ہے کہ وہ لوگ
جو اردو کے مسئلہ سے کبھی دلچسپی نہیں لیتے رہے آج
میدان میں کود کر یاسیت کی تبلیغ شروع کر دیں۔ میں
پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ تمام رضا کاران محاذ
اردو کی طرف سے اس نظریے کو رد کرتا ہوں اور امید
کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔

اردو یونیورسٹی کے سلسلے میں اعظمی صاحب کا مضمون
جو سیکولر ڈیموکریسی میں شائع ہوا ہے میری نظر سے نہیں
گزرا۔ مگر ان کا یہ کہنا کہ "موجودہ حالات میں اردو کی کوئی
نئی یونیورسٹی قائم کرنا قریب قریب ناممکن ہے"....
عباسی صاحب کو اس کا تو اندازہ ہوگا کہ آج کل
ایک اچھی یونیورسٹی کے قیام کے لئے کئی کروڑ روپے
کی ضرورت ہوگی اور روزمرہ کے اخراجات کے
لئے بھی چھوٹی سے چھوٹی یونیورسٹی کے لئے بھی کم از کم
تیس چالیس لاکھ سالانہ کی ضرورت ہوگی آخر یہ روپے
کہاں سے آئیں گے۔ مجھے قطعی امید نہیں ہے کہ حکومت
اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے گی"۔
یہ احساس کمتری کی بات ہے اگر گورنمنٹ
گورکھپور، کانپور، میرٹھ میں یونیورسٹی کھول سکتی ہے
اور ایک دیہی زرعی یونیورسٹی کے قیام کو سوچ رہی
ہے تو وہ اردو یونیورسٹی کیوں قائم نہیں کر سکتی جبکہ
سپریم کورٹ نے علی گڑھ کے مقدمے (اے ۱۰ آئی آر
۱۹۶۸ء ایس سی صفحہ ۶۶۲) میں یہ فیصلہ کر دیا ہے
کہ کوئی یونیورسٹی بلا پارلیمنٹ کے چارٹر کے "قائم ہی
نہیں ہو سکتی" اور نہ کوئی آزاد یونیورسٹی ڈگری دے
سکتی ہے اور پارلیمنٹ کو جس طرح کی یونیورسٹی وہ
چاہے اس کے کھولنے کے لئے مختار کل قرار دیا ہے
یہ اور بات ہے کہ ہم خود ہی شور کرنا شروع کر دیں
کہ گورنمنٹ اتنا روپیہ کہاں سے لائے۔ مردم شماری
کے لحاظ سے اردو اس ملک کے دو کروڑ چھیاسی لاکھ
انسانوں کی مادری زبان ہے۔ اور ۱۹۶۸ء کی رولنگ
کے بعد جس میں سپریم کورٹ نے یہ طے کر دیا ہے کہ یونیورسٹی
گرانٹس کمیشن ایکٹ ۱۹۵۶ء کے بعد اب کوئی درسگاہ
ڈگری دے ہی نہیں سکتی جب تک کہ چارٹر سے پارلیمنٹ
اسے قائم نہ کرے چلے وہ سکتی تھی گورنمنٹ مانے یا نہ
مانے۔ اور یہ بھی طے کر دیا ہے کہ یونیورسٹی بھی آرٹیکل
۳۰ (۱) دستور ہند میں دیے ہوئے الفاظ "تعلیمی
درسگاہوں" کی تعریف میں آتی ہے تب لسانی اقلیتوں
کے لئے حکومت کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ایک اردو
یونیورسٹی قائم کرے جو ایسی ہو کہ اس پر فرقہ واریت
کا ادنیٰ بھی سایہ نہ ہو۔ اردو والوں کو خواہ مخواہ بیجا
اظہار وفاداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ارے
ارے بھلا گورنمنٹ بے چاری جو خود ہی محتاج ہے اردو
یونیورسٹی کے لئے اتنا روپیہ کہاں سے لائے گی۔ بلکہ ہم علم
(باقی صفحہ [illegible])

انجمن کی خبریں

عصمت چغتائی کے ساتھ ایک شام

انجمن ترقی اردو بمبئی کے زیر اہتمام ۱۵ر ستمبر ۷۲ء کو صابو صدیق پالی ٹیکنک میں جناب ڈاکٹر اسحاق حسین جمخانہ والا کی صدارت میں ایک ادبی نشست کا انعقاد کیا گیا انجمن کے جوائنٹ سکریٹری پروفیسر یونس اگاسکر نے سجاد ظہیر صاحب کے سانحہ ارتحال پر رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انجمن ترقی اردو کی طرف سے تعزیتی تجویز پیش کی جس میں مرحوم کے ترقی پسند ادبی کارناموں کو سراہتے ہوئے اُن کی موت کو اردو دنیا کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا گیا۔

اس کے بعد محترمہ عصمت چغتائی نے اپنا مشہور افسانہ "بچھو پھوپھی" پڑھ کر سنایا۔ اس افسانے کو پسند کرنے کی وجہ انھوں نے یہ بتائی کہ اس میں انھوں نے اپنے خاندان اور گھر کے افراد کے کرداروں کی عکاسی کی ہے۔ افسانہ ختم ہونے پر حاضرین نے ان سے مختلف سوالات کئے۔ ایک اہم سوال اردو کو دیوناگری میں لکھنے کا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اردو رسم خط بدلنے کے حق میں ہیں۔ عصمت چغتائی نے اس سے انکار کیا۔ اور کہا کہ وہ اردو ادب کو دیوناگری میں منتقل (TRANSCRIBE) کرنے کی حامی ہیں۔ اردو کے ادبی سرمائے کو دیوناگری میں تیزی سے منتقل کرنا چاہئے تاکہ نئی پود کے وہ افراد جو اردو رسم خط سے نابلد ہیں اس سے فائدہ اٹھاسکیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہندی کے حروف تہجی میں چند اصوات کا اضافہ کرکے اردو کی مخصوص آوازوں کے لئے الگ علامتیں بنائی جائیں محض موجودہ لکھاوٹ میں چند ترمیمیں کرنا کافی نہیں۔ جہاں تک اردو کے رسم خط کی تبدیلی کا سوال ہے وہ اس کی مخالف ہیں اور اسے برقرار رکھنے کے حق میں ہیں۔

اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری اور خصوصاً گالیوں سے متعلق انھوں نے یوں وضاحت کی کہ یہ محض ماحول کی عکاسی ہے۔ یہ دوسروں کے الفاظ اور جملے ہیں جو ان کے قلم سے ادا ہوتے ہیں اگر وہ گناہ گار ہیں تو محض حقیقت نگاری کی اور فن کے تقاضوں کے پیش نظر ناگزیر مبالغے کی۔

آخر میں انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری پروفیسر سید محی رضا نے محترمہ عصمت چغتائی اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

• سید محی رضا۔ سکریٹری
انجمن ترقی اردو بمبئی

مدارس میں اردو ذریعہ تعلیم کی جماعتوں کا مطالبہ

حیدرآباد:۔ انجمن ترقی اردو نے حکومت آندھرا پردیش پر زور دیا ہے کہ وہ ریاست کے تمام علاقوں کے تعلیمی اداروں میں جہاں اردو داں عوام کی آبادی دس فیصد ہو اور اس حقیقت کا لحاظ کئے بغیر کہ اس ادارہ میں فوری طور پر آنے والوں کی تعداد مقررہ تعداد کے مطابق ہو کہ نہ ہو اردو ذریعۂ تعلیم کی جماعتیں قائم کرے ریاستی حکومت نے حال ہی میں انجمن ترقی اردو کو مطلع کیا ہے کہ ایسے تعلیمی اداروں میں جہاں کہیں بھی کسی جماعت میں طلبہ کی تعداد (۱۰) ہو اور اسکول میں طلبہ کی جملہ تعداد جو اپنی مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا کر تعلیم حاصل کرنے کی خواہاں ہے (۴۰) ہو۔ کسی مخصوص مقام پر اردو داں عوام کی آبادی کے دس فیصد ہونے یا نہ ہونے کا لحاظ کئے بغیر اردو ذریعۂ تعلیم کی جماعتوں کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے۔ حکومت نے اس امر سے بھی مطلع کیا ہے کہ لسانی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے نام درج رجسٹر کرنے کے لئے جو اپنی مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا کر تعلیم جاری رکھنے کے خواہشمند ہوں تمام مدارس میں "اڈوانس رجسٹرس" رکھے گئے ہیں انجمن ترقی اردو نے حکومت پر زور دیا تھا کہ اردو ذریعۂ تعلیم سے حصول علم کے مواقع فراہم کرنے کا واحد راستہ صرف یہ ہے کہ ریاست کے تمام علاقوں میں اردو ذریعۂ تعلیم کی جماعتوں کا قیام عمل میں لایا جائے جہاں اردو داں عوام کی آبادی کم از کم دس فیصد ہو۔

• نامہ نگار

اخباروں سے تراشے

دہلی میں اردو اور پنجابی کی ترقی کے لئے اقدامات

دہلی، چیف اگزیکٹو کونسلر جناب رادھا رمن نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ اسکولوں میں آئندہ بھرتی کے دوران ایسے ٹیچروں کو ترجیح دی جائے گی جو دوسرے مضامین کے علاوہ اردو پڑھانے کی بھی قابلیت رکھتے ہوں گے آپ نے کہا کہ ایسا اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ اردو کی تعلیم کو فروغ مل سکے آپ نے بتایا کہ حال ہی میں محکمہ تعلیم میں دو نئے اسسٹنٹ ڈائرکٹروں کی تقرری کی منظوری دی گئی ہے جن کا کام اردو اور پنجابی زبان کی ترقی ہی ہوگا۔ نیز ۱۹۵۸ء میں مرکزی حکومت نے اردو کے متعلق جو پالیسی کا اعلان کیا تھا ایڈمنسٹریشن اس کو پوری طرح عملی جامہ پہنارہی ہے اس کے تحت پانچ سہولتیں دی گئی ہیں۔ جن میں ذریعہ تعلیم اردو، اردو کے ٹیچروں، درسی کتابوں کی فراہمی اور اردو میں خط وکتابت کی اجازت شامل ہیں۔

• دعوت، دہلی

اردو میڈیم امیدواروں کے مطالبات منظور کرنے کا مطالبہ

دلّی: جناب مرزا صدیق علی ممبر میٹرو پالیٹن کونسل اور جناب نظام الٰہی (کنوینر) ایکشن کمیٹی نے دلّی کے لفٹنٹ گورنر شری بالیشور پرشاد اور شری رادھا رمن شری سبھدرا جوشی اور چیف سکریٹری دلّی ایڈمنسٹریشن سے ایک میمورنڈم کے ذریعہ یہ مطالبہ کیا ہے کہ دلّی ایڈمنسٹریشن کے تحت منسٹریل اور اگزیکٹیو جگہوں کے امتحانات میں ہندی کا بہت زیادہ دخل ہونے کی وجہ سے اردو میڈیم کے امیدواروں کا اس امتحان کو پاس کرنا بالکل ناممکن ہے۔

انھوں نے کہا اردو میڈیم کے امیدوار ہندی جانتے ہیں مگر اس حد تک نہیں کہ وہ ہندی میڈیم کے امیدواروں سے مقابلہ کرسکیں۔ کیونکہ دونوں جگہوں کے لئے ۶۰۰ نمبر کے پرچوں میں ۴۰۰ نمبروں کا ہندی میڈیم امیدواروں کو براہ راست فائدہ پہنچتا ہے۔

انھوں نے مطالبہ کیا کہ اگر دلّی ایڈمنسٹریشن اور لفٹنٹ گورنر صاحب نے ان امتحانات کے لئے یو پی ایس سی کا طریقہ نہیں اپنایا تو اردو میڈیم کے امیدواران امتحانات کا بائیکاٹ کرنے پر مجبور ہوں گے۔

• الجمعیۃ، دہلی

اردو کو غیر ملکی زبان قرار دینے والے ہندوستانی تہذیب کے دشمن

گورکھپور:- مرکزی وزیر مواصلات جناب ہیم وتی نندن بہوگنا نے یہاں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اردو زبان کو غیر ملکی زبان کہہ کر اس کی مخالفت کر رہے ہیں ان کی نیت صاف نہیں ہے اور ان کی اس مخالفت میں فرقہ واریت کی بو آتی ہے انھوں نے کہا کہ اردو کو غیر ملکی زبان کہنا تاریخ کو جھٹلانا ہے اور یہ بہت ہی افسوسناک بات ہے۔

جناب بہوگنا نے کہا کہ آج ملک کی تمام جماعتیں "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ لگاتی ہیں یہ نعرہ اردو کا ہی دیا ہوا ہے۔ انھوں نے تالیوں کی گونج میں کہا کہ جس زبان نے "سرفروشی کی تمنا" کا سبق دیا ہے جس زبان نے "وطن کے گیت گاتے ہوئے اپنے ادب کو سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" جیسے نغموں سے مالا مال کیا ہے جس زبان نے ادب میں قومی یک جہتی کو فروغ دینے کے لئے ہندوستانیوں کو سکھایا ہے کہ "مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا" اور جس زبان نے ملک کی جنگ آزادی میں نمایاں رول ادا کیا ہے اس زبان کو ہم مٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے اس کی ترقی ہمارا فرض ہے کیونکہ اس کے ادب اور تاریخ میں ہندوستانی تہذیب وتمدن کا بیش قیمت سرمایہ ہے اس کو مٹانے والے ہندوستانی تہذیب کے دشمن ہیں۔

انھوں نے کہا کہ آج اترپردیش میں اردو کے

سوال کو لے کر شور مچایا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ مذہب کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اردو بھی ہندوستان کی ہی ایک زبان ہے اس کے مخالفت کرنے والے فرقہ واریت کو ابھار کر سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں انھوں نے کہا کہ اگر ہندی کے ساتھ دوسری زبانیں چل سکتی ہیں تو پھر اردو کیوں نہیں چل سکتی۔ اگر اردو کے رسم الخط کو بدلیں کہہ کر اس کی مخالفت کی جائے گی تو یاد رکھئے کہ ہندی کے ساتھ بھی یہی ہو سکتا ہے ہمیں پھر مالی اور پاراکرت کی طرف جانا ہوگا۔

• سیاست، کانپور

ریلوے میں اردو کو جائز مقام دینے کا وعدہ

اودھ کوٹ کٹہار میں ریلوے مشاورتی کمیٹی کی ایک خصوصی نشست میں شرکت کرنے کے لئے شری للت نرائن مشرا یونین ریلوے منسٹر اودھ کوٹ تشریف لائے۔ یہاں سے چند روتی گاؤں کے ایک عوامی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ میں نے ریلوے کے سبھی محکموں میں اردو کو اس کا جائز مقام دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بہار، یوپی اور ملک کے ان حصوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی معتدبہ آبادی ہے۔ ریلوے کے تمام بورڈوں پر انگلش، ہندی کے ساتھ اردو میں بھی اسٹیشنوں کے نام لکھے جائیں گے، اردو میں ٹائم ٹیبل بھی چھاپا جائے گا اور بہت سارے اشتہارات ٹینڈر اردو میں بھی شائع کرائے جائیں گے

• الجمعیۃ۔ دہلی

اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی مخالفت

نئی دہلی، سیٹھ گوبند داس ایم۔ پی نے اترپردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کے طور پر ٹھونسنے کی کوشش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے سیٹھ گوبند داس نے کہا کہ بحیثیت لٹریچر کے وہ اردو زبان میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور انھوں نے اپنی تحریروں میں اردو کے الفاظ کا بے حد استعمال کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہماری قومی زندگی میں اردو کو اس کا جائز مقام ملنا چاہیئے اور اس زبان کو پھلنے پھولنے کے لئے مناسب سہولیات ملنی چاہئیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے ایک ایسی ریاست پر ٹھونس دیا جائے جس کی مالی حالت پہلے ہی سے خراب ہے۔

• دعوت۔ دہلی

(صفحہ ۵ سے آگے)

کی ضرورت ہے فضا بدل رہی ہے وقت آئے گا کہ اردو کو اس کا جائز مقام ملے گا اور حکومت اردو یونیورسٹی قائم کرے گی بشرطیکہ وہ لوگ جو مصیبت اور ابتلا کے زمانے میں اردو کی جدوجہد کی تحریک سے دور رہے ہیں درمیان میں آکر اردو سے زیادہ حکومت سے ہمدردی کا نعرہ نہ لگائیں اردو یونیورسٹی ضرور بنے گی اور حکومت بنائے گی۔ ہمارا مطالبہ جائز اور مبنی بر حق ہے ناکامیابی کی کوئی وجہ نہیں ہے

تو نے بجد و جہد گرفتند وصل دوست

• محمد عبدالحلیم عباسی

دوسرے اداروں کی خبریں

اقبال نمائش

سری نگر (کشمیر) میں ۲۲؍اکتوبر سے اقبال نمائش شروع ہو رہی ہے۔ یہ نمائش ڈاکٹر محمد حسن صدر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی اور ملک کے نامور ادیب و شاعر شری جگن ناتھ آزاد کی انتھک کوششوں کا جیتا جاگتا مرقع ہوگی۔ نمائش کے مختلف گوشے حسب ذیل ہوں گے (اردو)

(۱) اقبال کی کہانی تصویروں کی زبانی (۲) اقبال اور ان کا خاندان (۳) اقبال کے اساتذہ (۴) تو ابھی رہگزر میں ہے قید مقام سے گزر (۵) اقبال اور مسجد قرطبہ (۶) غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے و لیکن ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں

(۷) دو دوست — علامہ اقبال اور مہاراجہ سرکشن پرشاد (۸) اقبال کی مرتب کردہ درسی کتب (۹) تصانیف اقبال کے اولین ایڈیشن (۱۰) اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں اعزازات (۱۱) یادگار مشاعرہ (۱۲) پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر (۱۳) اسلامی طرز کے پسندیدہ نام (۱۴) اقبال کی اردو تحریریں (بہ خط اقبال) (۱۵) اقبال کے اردو مکاتیب (بہ خط اقبال) (۱۶) "سلام و پیام" پر اقبال کا مکتوب (بہ خط اقبال) (۱۷) اقبال کے انگریزی مکاتیب (بہ خط اقبال) (۱۸) اقبال کے خطوط بیگم عطیہ فیضی کے نام (بہ خط اقبال) (۱۹) اقبال کی انگریزی تحریریں (بہ خط اقبال) (۲۰) کلام اقبال بہ خط اقبال (۲۱) کلام اقبال اولین صورت میں (۲۲) تراجم اقبال (۲۳) اقبال اور پریم چند (۲۴) مفسرین کلام اقبال (۲۵) لغت اور زبان کی باریکی پر اقبال کی نظر (۲۶) اقبال مصوروں کی نظر میں (۲۷) کلام اقبال مصوروں کی نظر میں (۲۸) اقبال کے اشعار۔ خطاطی کے نمونے (۲۹) پھر رخصت فرش بربستم ازیں خاک۔

(اقبال کے انتقال پر رابندر ناتھ ٹیگور، مسز سروجنی نائیڈو، جواہر لال نہرو، سبھاش چندر بوس، ابوالکلام آزاد، سر شہاب الدین اور دوسرے زعماء کا اظہار غم) (۳۰) متفرقات۔ • نامہ نگار

مانٹا رئیز ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشنس ایسوسی ایشن

یو۔پی کی رپورٹ میں اردو کا ذکر

مندرجہ بالا ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری نے ایسوسی ایشن کی جنرل باڈی کی میٹنگ میں جو رپورٹ پیش کی ہے اس میں اردو کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اردو زبان کے تحفظ کی باتیں گلا پھاڑ پھاڑ کر کی جا رہی ہیں مگر سرکاری عملہ اس مسئلہ میں جس تنگ دلی کا پورا پورا ہم نوا بنا ہوا ہے اور ہماری سیکولر سرکار کا تو یہ حال ہے کہ "تنک تنک دیدم دم نہ کشیدم" سہ لسانی اصول اسی لئے بنایا گیا کہ اقلیتی زبانوں کا تحفظ ہو جائے پورے ملک نے اسے قبول کیا یو۔پی نے ٹھکرا دیا۔ تیسری زبان نہ اردو ہے، نہ بنگال، نہ پنجابی ہے بلکہ سنسکرت ہے۔ (۱) اردو کے ساتھ یہ سانحہ پیش آیا ہے کہ ایک طرف نئے تقرر شدہ اساتذہ ہیں جن کی تقرری اس وقت وجود میں آئی ہے جب مجبور ہو کر بچوں نے ہندی میڈیم میں داخلہ کرا لیا تقریباً پچ حصہ ان اساتذہ کا ہے جو ایسے پرائمری اسکولوں میں رکھے گئے ہیں جہاں اردو کے طالب علموں کا نام و نشان نہیں ہے۔ دوسری طرف جہاں اردو کے طلبہ بیسیوں ہیں یا دو سو، وہ جگہ ایک اکیلا ہے یا ایک سے تین تک ہے ہر جگہ صرف ایک استاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو وہ استاد خودکشی کرے یا دھکا دے کر بچوں کو ہندی میڈیم میں داخل کرانے کا نیک فرض انجام دے۔

(۲) آگے نکل کر کسی طرح پانچویں درجہ میں تو اب چھٹے درجے میں داخل ہونے سے قبل بچے کو ایک A.O.C کے امتحان سے گزرنا پڑے گا۔ اس امتحان کے پرچے صرف ہندی میں ہوں گے اور تمام تحفظ کی دیانت کے بارے میں کچھ عرض کرنا تو جرم ہے گا۔

(۳) انٹرمیڈیٹ بورڈ آج تک اس پر اڑا ہوا ہے ہم نہ اردو کے پرچے تیار کریں گے اور نہ کتابیں اردو کی دیں گے۔ یہ جب ہے، جبکہ اردو کی

اکثریت سرکاری نمائندوں پر مشتمل ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ خود سرکار کے ارادوں میں کھوٹ ہے اور جو کچھ اوپر نظر آرہا ہے وہ حقیقت نہیں سراب ہے۔

• ریاض الدین احمد جنرل سکریٹری

بزم ادب تھنہ منڈی کی قرارداد

(۱) بزم ادب تھنہ منڈی راجوری (کشمیر) ہندوستان کی غیر اردو ریاستوں میں اردو دوستی کے رجحانات کا خیر مقدم کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کی اردو کے متعلق مبہم پالیسی پر اظہار افسوس کرتی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ریاستی حکومت جلد از جلد اردو کے آئینی اور دستوری حقوق کی روشنی میں اس کے تحفظ کا انتظام کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کی تمام ملازمتوں میں اردو جاننا لازمی قرار دیا جائے اور تمام دفاتر میں اردو ٹائپنگ شروع کی جائے اور جموں اور سرینگر میں اردو ٹائپنگ سکھانے کے لئے مراکز قائم کئے جائیں ریاست کے تمام سکولوں میں اردو کی تعلیم کی سرکاری سطح پر نگرانی کی جائے اور ابتدائی درجات میں اردو خواں طلبہ کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں اور اردو تعلیم کے لئے مزید اقدامات کئے جائیں۔

(۲) بزم یہ مطالبہ بھی کرتی ہے کہ ریاستی خزانہ کے سہارے چلنے والے ادارے اور ان کے کارکن اردو دشمنی کے رویّہ کو ترک کردیں اور یہاں کی مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی مسودوں کی اشاعت اور ماہناموں کا اجراء فراخدلی سے کرے۔

• سکریٹری بزم ادب

ادب کو میرابائی کی دین

بمبئی ۔ مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر کی ایک ادبی نشست میں "ادب کو میرابائی کی دین" پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندی کے مشہور عالم اور ادیب ڈاکٹر سی۔ ایل۔ پربھات (ریڈر ان ہندی بمبئی یونیورسٹی) نے فرمایا کہ میرابائی نے اپنی کویتا سے ہندی ادب کو جس طرح مالامال کیا ہے وہ بڑی اہمیت کا مالک ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ میرابائی کے نام سے منسوب ہندی کلام اس قدر زیادہ ہے کہ اس کے متعلق یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں میرابائی کا اپنا کلام کتنا ہے اور کتنا بعد کے لوگوں نے الحاق کیا ہے لیکن اب تک ان کا جو اصلی کلام ہمارے سامنے آچکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یقیناً ہندی کی ایک بلند پایہ شاعرہ تھیں انھوں نے اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے لئے آسان ہندی کو اپنا ذریعہ بنایا جنوبی ہند کے شعرا کی طرح وہ بھی عورت کی آزادی کی حامی تھیں سماج کی تنگ نظری بندشوں کے باوجود وہ سماج کی بنائی ہوئی روش سے ہٹ کر اپنی ایک الگ ڈگر پر چلتی رہیں ان پر مظالم ہوئے وہ جہاں جہاں بھی گئیں ان پر دروازے بند کئے گئے، ان کی بیوگی کو ہر جگہ نشان ملامت بنایا گیا لیکن وہ تھیں کہ ذرا نہ گھبرائیں ہنس ہنس کر ساری تکالیف ساری سختیوں کو جھیل لیا ان کی شاعری سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان پر اس وقت کے سماج اور سماج کے کرتا دھرتاؤں نے مختلف ناموں اور مختلف بہانوں سے کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ ان کے گیتوں میں ایک ایسا درد، ایک ایسی تڑپ اور ایک ایسی کسک پوشیدہ ہے جو اور شاعروں کے ہاں بہت مشکل سے ملتی ہے وہ درحقیقت ایک عوامی شاعرہ تھیں اور ان کی آواز ہندوستان بھر کے دکھی دلوں کی آواز ہے اور شاعر خاص خاص علاقوں میں محدود ہو کر رہ گئے جب کہ میرابائی سارے ہندوستان میں مقبول ہیں۔

جناب بھیّو مادھو راؤ پاگڑی نے اپنی صدارتی تقریر میں میرابائی کے عہد کے تاریخی، معاشرتی اور سماجی حالات پر روشنی ڈالتے اور میرابائی کے حالات زندگی مختصراً بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر پربھات کے ان خیالات سے اتفاق کیا جو انھوں نے "ادب کو میرابائی کی دین" کے سلسلے میں ظاہر کئے تھے۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے مہمانوں کا تعارف کرایا اور حامد اللہ ندوی نے شکریہ ادا کیا۔

• حامد اللہ ندوی

اس شعر میں جس جانب اشارہ ملتا ہے اس پر گفتگو آگے آئے گی
اس نظم پر تبصرہ کے سلسلے میں جن دو اشعار کو خاص طور پر مرکز توجہ بنایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

میں اصل کا خاص سومناتی — آبا میرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد — مری کف خاک برہمن زاد

اور اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اقبال نے اپنے سومناتی اور برہمن زاد ہونے پر فخر کیا اور فلسفہ زدہ سید زادے کے سید ہاشمی کی اولاد ہونے پر تاسف کا اظہار کیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک ان اشعار میں فخر و مباہات کا عنصر کہیں نہیں بلکہ ایک امر واقعہ کا بیان ضرور ملتا ہے۔ ہاں فخر ہے تو اس امر پر کہ چونکہ فلسفہ اقبال کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے اس لئے وہ اس حقیقت سے "فلسفہ زدہ" سید زادے کی نسبت زیادہ آگاہی رکھتے ہیں کہ یہ فلسفہ حقائق حیات کا عرفان نہیں بخش سکتا۔ مزید یہ کہ پیگنزم (PAGANISM) کے دور سے گزرنے کے بعد اسلام کی اساسی تعلیمات ان کے ذہن اور روح میں اس طرح جاگزیں ہو چکی ہیں کہ اب فلسفہ میں انہماک کے باوجود ان کا یقین اور ایمان کسی طرح متزلزل نہیں ہو سکتا۔ کاش "فلسفہ زدہ سید زادہ" نے جو اس نظم میں ایک طربیہ شبیہ (COMIC FIGURE) کا رتبہ (STATUS) رکھتا ہے فلسفہ کی نسبت دانائی کے گہرے چشموں کا پانی پیا ہوتا۔ "ضرب کلیم" ہی میں اقبال نے ایک اور جگہ کہا ہے:

جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف — تعلیم ہو گو فرنگیانہ!

تین اشعار کے بعد جن میں رومی کی مثل فلسفہ کی تعلیم کو استخوان سے تعبیر کیا ہے، لکھتے ہیں:

انجام خرد ہے بے حضوری — ہے فلسفۂ زندگی سے دوری!
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت — ہیں ذوق عمل کے واسطے موت!

یہاں اقبال کے دو معروف اور محبوب تصورات سامنے آتے ہیں جن کا اعادہ ان کی پوری شاعری میں عموماً اور "بال جبریل" میں علی الخصوص بڑی آن بان، شان و شکوہ، لہجے کی شگفتگی اور فکر کی بلوغت کے ساتھ بار بار ملتا ہے۔ اول یہ کہ عشق با نظر حضوری ہے اور علم اور خرد حجاب، اور دوسرے یہ کہ افکار کے "نغمہ ہائے بے صوت" سے قوم کے قوائے عمل شل ہو جاتے ہیں۔

نظم کے اگلے دو شعر کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

دیں مسلک زندگی کی تقویم — دیں سر محمد و براہیم!
دل در سخن محمدی بند — اے پور علی ز بوعلی چند!

اقبال فلسفہ کا استرداد نہیں کرتے لیکن فلسفے کے ذریعے حاصل کی ہوئی بصیرت کی نارسائیوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ خودی کے استحکام اور ذوق عمل پر زور دینا چاہتے ہیں وہ مقام خرد سے گزر کر مقام شوق تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو عنصر مسلک زندگی کی شیرازہ بندی کرتا ہے وہ ایک طرح کا روحانی عقیدہ ہے اور یہ روحانی عقیدہ ہی اس دین کے مرادف ہے جس کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور جس کی تجدید اور تکمیل نبی کریم کے بابرکت ظہور میں آئی۔ "ضرب کلیم" کی افتتاحی نظم کے بعد والی نظم کا یہ شعر بھی اس سلسلے میں قابل توجہ ہے:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری — نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ

اقبال کے نزدیک خرد کی نارسائی کا راز اور زنار زمان و مکاں کے حلقے میں انسان کی ساری فلسفیانہ موشگافیاں پایاں کار دھری آتی ہیں۔ کیونکہ الٰہ یعنی حق ہی آخری حقیقت ہے۔ اگر سید زادے والی نظم کے بارھویں، تیرھویں اور چودھویں شعر کو ذہن میں رکھیں اور ان کے علاوہ "ضرب کلیم" کے ان دو اشعار کو بھی جو اوپر درج کئے گئے تو اس سے اقدار کا جو نظام (SYSTEM OF VALUES) ترتیب پائے گا وہ یقیناً لاتی و مناتی کے منافی نظر آئے گا۔ اس میں خدا کی وحدانیت میں یقین، رسول کریم کی نبوت کا اقرار، انسان کا اپنے اعمال کے لئے کسی برتر ہستی کے سامنے جوابدہ ہونے کا اصول اور مجموعی طور پر زندگی کی روحانی بنیاد پر ایمان اور عقل و خرد کے مقابلے میں بصیرت بیدار، بنیادی عوامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ شاہ حسینی کے جو دو نئی بحث کے شمارے میں اقبال کے ایک ترجمان نے بزعم خود یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اقبال کی شاعری کے سلسلے میں یہ کہنا کہ یہ اسلامی وجدان (VISION) کی شاعری ہے ایک طرح کا مغالطہ ہے۔ اس سفسطہ (SOPHISTRY) کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری کی تعبیر و تشریح میں اس وجدان پر پردہ ڈالنا جو اقبال کو اسلام سے ملا ہے اور جو ان کا مرجع و ماوا ہے، ایک نہایت مذموم عمل ہے۔ اقبال کی شاعری میں ان کے اس وجدان کو وہی مرکزی اہمیت حاصل ہے جو عیسائیت سے ماخوذ وجدان اور بصیرت کو دانتے، شیکسپیر، ملٹن، بلیک اور ٹی ایس ایلیٹ کی شاعری میں ہے۔ اقبال کا زندگی کی منہاج، ان کے طور طریقے، ان کا فکری مزاج، ان کی ذہنی تربیت، ان کے خطوط، ان کے نثری مضامین، ان کے ملفوظات، ان کے مدارس لیکچرز اور ان کی شاعری ایک وجود کلی (TOTALITY) کی حیثیت سے پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ اسلام کے نظام سے حاصل کی ہوئی بصیرت اور وجدان اس شاعری کے قلب میں پیوست ہے۔ اس درجہ کی بیرونی اور اندرونی شہادت کو جھٹلانا اقبال کی شاعری کے پورے سیاق و سباق اور اس کی روح کو مسخ شدہ (DISTORTED) صورت میں پیش کرنے کے مرادف نہیں تو اور کیا ہے؟

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

اقبال کی شاعری کی تنقید کے سلسلے میں اکثر یہ کہا گیا ہے کہ ان کے یہاں جگہ جگہ تناقضات (CONTRADICTIONS) ملتے ہیں۔ یہ ایک مغالطہ انگیز بیان ہے۔ شاعری میں منطقی ربط و ہم آہنگی کی تلاش فعل عبث ہے۔ کیونکہ شاعر کا ذہن ایک واضح معین اور مقررہ سمت میں آگے نہیں بڑھتا بلکہ منحنی اور پیچ در پیچ راستوں سے گزرتا ہے بعض اوقات تصورات کی شعری تجسیم کے ساتھ ہی ہمیں شاعری میں قدم قدم پر ایک محیط جذبے (MOOD) کا انعکاس بھی نظر آتا ہے۔ سیاق و سباق کا لحاظ رکھنا بھی ازبس ضروری ہے جس میں مختلف شعری قضیئے (PROPOSITIONS) واقع ہوتے ہیں۔ ہر بڑے شاعر کا ذہن نمو پذیر اور تغیر پذیر ہوتا ہے اور زیادہ عرصے تک ایک نقطے پر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے جن عناصر کو ہم تناقضات کا نام دیتے ہیں وہ دراصل عمل ارتقا کی مختلف منزلیں اور مدارج ہیں۔ اور اقبال کی شاعری میں ان کا پایا جانا محل حیرت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اقبال اپنے ذہنی سفر کے دوران مختلف فلسفہ ہائے حیات اور مختلف عقیدوں اور تحریکات سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور مشرق و مغرب کے مختلف فکری سرچشموں نے ان کے باغ سخن کی آبیاری کی ہے۔ ان سب کا پتہ اقبال کے کلام میں کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔ لیکن اقبال ہر مستعار عنصر کے ترک و قبول کے لئے ایک معیار رکھتے ہیں۔ ان کے فکر و فن کا ایک مرکزی نقطہ ہے اور اسی کی روشنی میں ہمیں ان کے پورے شعری سرمائے کا تجزیہ کرنا چاہئے۔ کسی ایک عنصر کو پورے مرکب (COMPLEX) سے منقطع کر کے دیکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم پایانِ کار ان عناصر کو جو صرف (PERIPAERAL) اہمیت کے حامل ہیں، ان عوامل پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ جو پوری تصویر کے مرکز اور قلب میں پیوست ہیں۔ اور اس طرح تصویر کی مجموعی ہیئت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اقبال کسی نقطے سے چلے ہوں لیکن ان کے یہاں نقطۂ آغاز اتنا اہم نہیں ہے جتنی وہ منزل جہاں بالآخر وہ پہنچے اور وہ منزل "ارمغانِ حجاز" ہے۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے۔ کہ اقبال نے جن عقیدوں کو جزوِ جان اور جزوِ ایمان بنایا، وہ ان کے یہاں بغیر کسی ذہنی کاوش اور ریاض کے قبول کر لئے گئے۔ "پیام مشرق" اور "بال جبریل" کا اگر بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو ہمیں قدم قدم پر اس عمل تجسس (PROCESS OF EXPLORATION) کے واضح نشانات نظر آئیں گے، جو ہر بڑے شاعر کے یہاں ملتا ہے اور ہمیں اس ذہنی کرب (AGONY) کے آثار بھی ملیں گے، جو تجربے کے مختلف پہلوؤں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

"بال جبریل" میں خاص طور پر جو استفہامیہ لہجہ ہے' جو للکار ہے اور خدا کے حضور اور اس کی کائنات کے روبرو جس بے باکی اور جسارت (AUDACITY) کا اظہار ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن شیکسپیر کی طرح اقبال کے یہاں بھی ہم پایانِ کار ایک رویائے سعادت (VISION OF GRACE) سے دوچار ہوتے ہیں۔

پچھلے دنوں بعض ادبی رسائل میں اقبال کی نظم "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" پر تنقید و تبصرے کے سلسلے میں ایک مخصوص نقطۂ نظر کا اظہار نظر آیا۔ اس نظم کے سلسلے میں یہ قیاس آرائی کی گئی ہے کہ اس کے مخاطب پطرس بخاری تھے۔ حالانکہ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ انہیں فلسفے میں کس حد تک خصوصی درک حاصل تھا کہ وہ اقبال کے لئے 'درخور اعتنا' تھے۔ بہر صورت مخاطب چاہے پطرس ہوں یا کوئی اور جو امر زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ نظم کا عنوان ہی اس کی طنزیہ غایت (IRONIC INTENTION) کی غمازی کر رہا ہے۔ نظم کے پہلے پانچ اشعار میں اقبال نے یہ امر واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ فلسفۂ مغرب میں مہارت نہ حاصل کرنے سے نہ زندگی میں استحکام پیدا ہو سکتا ہے اور نہ خودی اپنی تربیت اور نشو و نما و ارتقا کے مراحل سے گزر کر جاودانی بن سکتی ہے۔ اور اقبال کے آئیڈیل انسان کو ایک مرکز ثقل کی ضرورت ہے۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

دنیائے عشا ہو جس سے اشراق
مومن کی اذاں ندائے آفاق!

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ، پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پریس علیگڑھ میں چھپوایا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علیگڑھ سے شائع کیا